دین کو کیسا ہونا چاہئے

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن نقوی صاحب قبلہ

انسان اپنی زندگی کے ہر معمولی سے معمولی شعبہ میں بھی اس کی فکر رکھتا ہے کہ جس مقصد کے لئے وہ اقدام کر رہا ہے، کامیاب رہے لیکن کامیابی اسی وقت ہوسکتی ہے جب مقصد تک پہنچنے کا راستہ صحیح ہو اگر راستہ میں کچھ ذرا بھی خامی ہوگی تو مقصد کا حصول ناممکن ہوجائے گا اسی لئے ہر صاحب عقل اپنی امکانی کوشش کرکے وہی راستہ اختیار کرتا ہے جو سب سے زائد قریب وصائب ہو جس میں مقصد تک پہنچنا یقینی ہو، بعض لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے انتہائی کوشش کرتے ہیں لیکن ناکامیاب رہتے ہیں، آخر کیوں؟ صرف وجہ یہ ہوتی ہے کہ مقصد تک پہنچنے کا راستہ غلط تھا، یہی وجہ ہے جو قانون روز بنتے ہیں اور بگڑتے ہیں موجودہ دور سیاست پر نظر کرکے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے آج ایک قانون پاس ہوا کل وہی قانون بدل دیا گیا آج ایک قانون کا کسی ایک شخص کو ذمہ دار بنایا گیا اور کل وہی شخص نااہل ثابت ہوا ایسا کیوں ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ کل تک جس قانون کو حصول مقاصد کے لئے بھی ہم مفید اور مکمل سمجھ رہے تھے آج وہی مضر اور نامکمل ثابت ہوا پھر اس کی بھی کوئی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی کہ اس وقت جس قانون کو ہم صحیح سمجھ رہے ہیں وہ مفید ہی رہے گا، ممکن ہے آئندہ یہ بھی غلط معلوم ہو لہٰذا جب بھی انسان کو اپنے انتخاب کی غلطی کا احساس ہوتا ہے وہ فوراً راستہ میں تبدیلی کردیتا ہے کسی بھی ملک میں جتنے بھی قانون بنتے ہیں درحقیقت وہ ایک راستہ کی حیثیت رکھتے ہیں مقصود واصل کبھی بھی قوانین نہیں ہوتے، بلکہ ان پر مترتب شدہ نتائج ہوتے ہیں جس طرح کسی منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ پر چلنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح کسی خاص مقصد تک پہنچنے کے لئے کسی خاص قانون پر عمل کرنا ہوتا ہے مثلاً قتل کی سزا قتل ہے چوری کی سزا مثلاً دس سال قید، زنا کی سزا کچھ سال کا حبس وغیرہ یہ قوانین مقصد اصل نہیں ہوتے، بلکہ ان قوانین پر عمل کرنے کے بعد جو ملک میں امن، کیرکٹر میں مضبوطی، زندگی میں اعتدال پیدا ہوتا ہے یہ مقصود اصلی ہوتا ہے لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے جو سب سے صائب راستہ ہوتا ہے وہ اختیار کیا جاتا ہے اور اگر راستہ کے تعین میں غلطی کا احساس ہوگیا تو فوراً راستہ بدل دیا جاتا ہے۔

یہ بھی یقینی امر ہے کہ جب عظیم الشان مقصد ہوتا ہے اس کی مناسبت سے اس کے مقدمات مرتب کئے جاتے ہیں، اگر کوئی بہت ہی اہم مقصد ہے تو مقدمات میں بھی ویسا ہی خاص اہتمام ہوگا اور اگر مقصد معمولی ہو تو مقدمات بھی معمولی ہوں گے اور مقصد ہی کے اہمیت کے اعتبار سے مقدمات میں احتیاط برتی جائے گی۔ اگر ہمارا مقصد اصل پورے ملک کا مفاد ہے تو اس کے لحاظ سے ذرائع حصول، یعنی مقدمات بھی اہم اور وسیع ہوں گے، اس کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ کہیں

مقدمات میں کوئی غلطی نہ ہوجائے، کیوں کہ اگر مقدمہ میں غلطی ہوتو حصول مقصد ناممکن ہوگا اور جب مقصد حاصل نہ ہوگا تو یہ فرد کی غلطی پورے ملک کی تباہی بن جائے گی۔ اگر کسی خاص زمانے سے کوئی مقصد وابستہ ہے تو اس کے مقدمات بھی محدود اور اس زمانے تک کے لئے ہوں گے۔ اگر کسی شہر سے کوئی مقصد وابستہ ہے تو اس کے لئے ویسے مقدمات مرتب کئے جائیں گے اگر پوری قوم پر کسی مقصد کا حصول موقوف ہے تو اس کے لئے اس اعتبار سے مقدمات مرتب ہوں گے، اگر تمام دنیا سے کوئی مقصد متعلق ہے تو ایسے مقدمات قائم کئے جائیں گے جیسے جیسے مقاصد ہوں گے ویسے ہی ویسے مقدمات ہوں گے اور جیسے عظیم الشان مقاصد ہوں گے اسی اعتبار سے مقدمات میں احتیاط برتی جائے گی اگر مقدمہ میں غلطی سے بس کسی فرد کے مقاصد کو نقصان پہنچا ہے تو کسی حد تک احتیاط برتی جائے گی اور اگر جماعت کے مفاد کو نقصان پہنچا ہے تو اس سے زیادہ احتیاط کی جائے گی اور اگر پورے شہر کے مفاد کو ٹھیس لگتی ہے تو اس سے زائد احتیاط درکار ہے اور اگر پوری قوم کو ضرب لگتی ہے تو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اور اگر پوری انسانیت کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے تو سب سے زیادہ احتیاط چاہئے معلوم ہوا کہ باعتبار مقاصد مقدمات مرتب کئے جائیں گے اور مقدمات میں احتیاط برتی جائے گی۔ یہ بھی حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ جتنا عظیم مقصد ہوگا اتنی ہی مقدمات میں غلطیاں زیادہ ہوں گی اس لئے کہ اگر مقصد محدود رہے تو مقدمات بھی محدود ہوں گے لہٰذا غلطی کا امکان کم ہوگا اور اگر مقاصد لامحدود ہیں تو مقدمات بھی لامحدود ہوں گے، جس کے بعد غلطی کا امکان بھی لامحدود ہوگا۔

اب ذرا غور کیجئے کہ وہ انسان جو افراد کے لئے کوئی قانون بناتے ہیں اور اس میں غلطیاں کرتے ہیں، جماعت کے لئے اصول مرتب کرتے ہیں اور غلطیاں کرتے ہیں، شہروں کے لئے شاہراہیں معین کرتے ہیں اور دھوکے کھاتے ہیں صوبوں کے لئے آئین مرتب کرتے ہیں اور ٹھوکریں کھاتے ہیں ملکوں کے لئے اصول بناتے ہیں اور ناکامیاب ہوتے ہیں یعنی محدود مقاصد کے لئے محدود مقدمات بناتے ہیں اور پھر غلطیاں کرتے ہیں، تو بھلا وہ ان غیر محدود مقاصد کے لئے جو پوری انسانیت سے متعلق ہیں اور اس وقت سے جب سے لفظ انسانیت عالم وجود میں آیا اور اس وقت تک جب تک کہ یہ لفظ زندہ رہے گا قانون بنائیں اور غلطی نہ کریں؟ ناممکن ہے اب تک کہ مشاہدات وتجربات خود دلیل ہیں کہ یہ غلطی کریں گے، اور ضرور کریں گے اور پھر ان کی ایک معمولی سی غلطی بھی پورے سفینۂ انسانیت کے لئے گرداب فنا بن جائے گی غلطی کسی فرد یا افراد کی ہوگی لیکن پوری انسانیت اس غلطی میں جکڑ جائے گی۔

لہٰذا وہ انسان جو اپنی زندگی کے معمولی سے معمولی شعبے میں بھی غلطی برداشت نہیں کرسکتا اس کی پوری زندگی غلطیوں کے کسی گہرے اور مہلک غار میں گرادی جائے یہ فطرت کی کھلی ہوئی مخالفت ہوگی تو پھر جو کوئی ایسا قانون بنائے جس سے غلطی نہ ہوسکتی ہو وہ انسان ہو نہیں سکتا کیوں کہ دنیا نے انسان کو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے بلکہ گرتے ہوئے دیکھا ہے لہٰذا قانون وہی بنائے جو خالق فطرت ہو وہ جب قانون بنائے گا تو اس میں غلطی ناممکن ہوگی اس کا بنایا ہوا قانون پوری انسانیت پر حاوی ہوگا اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ وہ قانون جو مادی زندگی، روحانی زندگی، سیاسی زندگی، تمدنی زندگی، بلکہ پوری انسانیت کی حیات کے ہر ہر شعبے کے لئے بنایا گیا ہو وہ سوائے خدا کے

کوئی نہیں بنا سکتا اسی کا بنایا ہوا قانون غلطی سے پاک ہوگا، اور مقاصد کے حصول کے لئے پوری طرح کافی ہوگا۔

مذکورہ بیان کے بعد یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ پھر ایسے ہمہ گیر قانون پر عمل کرنے والے کو یقینی منزل مقصود تک پہونچنا چاہئے، کیوں کہ وہ قانون جو مثل ایک راستہ کے ہے، صحیح ہے، اس میں کوئی غلطی نہیں اور اس راستہ کا منزل تک پہونچنا بھی یقینی ہے پھر جو بھی اس راستہ پر چلے گا وہ یقینی ہمکنار مقاصد ہوگا! پھر کیوں اب ہر شخص منزل تک نہیں پہنچتا درحقیقت ایسا ہر شخص منزل تک اس لئے نہیں پہنچتا کہ وہ راستہ میں غلطی کرتا ہے، یہ خطا چلنے والے کی ہے نہ راستہ کے تعین میں غلطی ہے اور نہ ایسا ہے کہ یہ راستہ منزل تک نہ پہنچتا ہو۔ بلکہ اس راستے پر چلنے والے نے کہیں پر غلطی کی، ورنہ ناممکن ہے جو منزل مقصود تک نہ پہونچے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ ہم کسی منزل تک جانے کے لئے کسی سے راستہ پوچھیں اور کوئی ہم کو راستہ بتا دے بتانے والے نے راستہ صحیح معین کر کے بتایا اور وہ راستہ ہماری مطلوبہ منزل تک بھی پہنچتا ہے لیکن پھر بھی کبھی ہم منزل تک اس لئے نہیں پہنچتے کہ ہم نے اپنی ذاتی غلطی سے راستہ کو بدل دیا یا ہم خود بھول کر کسی دوسرے راستہ کی طرف چلے گئے کسی شخص کے بہکائے سے بہک کر دوسری طرف نکل گئے، یا راستہ کے سمجھنے ہی میں غلطی کر گئے۔ منزل تک ہم ان وجوہ کی بنا پر نہیں پہنچے اس میں نہ تو راستہ بتانے والے کی غلطی ہے اور نہ راستے کی کوئی خرابی ہے، اور نہ ایسا ہے کہ راستہ منزل تک نہ پہونچتا ہو۔ بس اسی طرح اس ہمہ گیر قانون پر بخیال خود عمل کرنے والا جب مقصد تک نہیں پہنچتا تو اس شخص کا مقصد تک نہ پہنچنا دوسرے خارجی مواقع کی بنا پر ہے قانون بے داغ ہے اور بتانے والے کی کوئی غلطی نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسے قانون کی ضرورت ہی کیا ہے کیا بغیر ایسے ہمہ گیر قانون کے جو ہمیشہ رہنے والا ہو اور ہر ملک کے لئے ہو زندگی کامیاب وکامران نہیں ہوسکتی؟ حالات کے بدلنے سے رجحانات بدلتے ہیں، زمینوں کے تغیر سے احساسات میں فرق پیدا ہوتا ہے آب و ہوا کے اختلاف، طبائع پر اثر انداز ہوتے ہیں زمانوں کے فرق ذہنوں میں انقلاب پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی وقت میں انسان شہنشاہیت کو بنظر استحسان دیکھتا تھا، اس کے بعد وہ وقت آیا کہ جمہوریت کا دور دورہ ہے کسی ملک کی ذہنیت میں ایسی کہنگی آج بھی موجود ہے جو اہل ملک کو پرانی روایات کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہے کسی ملک کے شعور میں اتنی تازگی پسندی ہے کہ وہ ہر پرانی چیز کو چاہے وہ جتنی ہی زیادہ فائدہ مند ہو اپنے سے اس طرح الگ کر دینے کی کوشش کرتا ہے جیسے کوئی مجرم اپنے جرم سے علیحدگی کے لئے نئے نئے راستے تلاش کرتا ہے طرح طرح سے برائت کا اظہار کرتا ہے ہر پرانی چیز کو اپنے ذہن سے اس طرح الگ کر دینے کی کوشش کرتا ہے، جیسے وہ ٹپکتا ہوا پھوڑا یا رستا ہوا ناسور، اور انسانیت کے دامن پر ناقابل برداشت بدنما داغ ہو۔ لہٰذا ایسے متلون المزاج اور متضاد طبائع انسانوں کے لئے کوئی ایسا قانون نافذ کر دینا جو ہمیشگی کے جوہر کا حامل ہو، جس میں تغیر وتبدل ناممکن ہو، کیونکر مناسب ہے؟ یہ تو آزاد فکر کو خلاف طبیعت مقید کرنا اور حریت پسند ضمیر کو مفلوج بنانا اور غیر معتدل پابندیوں میں جکڑ دینا ہے۔ انسان سے اس کے فطری حقوق کا جبراً چھین لینا ہے لہٰذا کیوں نہ وہ قانون بنایا جائے جو رجحانات کے بدلنے سے بدلتا رہے، جس میں جائز پابندیاں اور آئین آزادی ہو۔ اگر جمہوریت پسند طبیعتیں ہیں تو جمہوری اصول ہوں۔ اگر شہنشاہی پسند ذہنیتیں ہیں تو

شہنشاہی نظام ہو اگر پرانے آئین سے محبت ہے تو پرانے قوانین ہوں۔ اگر جدت پسندی ہے، تو جدید قوانین ہوں اگر اشتراکی نظام مقصود نظر ہو تو اشتراکیت کا علم بلند کر دیا جائے، اگر لا مذہبیت کی طرف میلان طبع ہے تو مذہب مٹا دیا جائے۔ اگر مذہب پرستی کا شوق ہو تو مذہب کو فروغ دیا جائے۔ بس اگر اس طرح عمل کیا جائے گا تو انسان پر بار نہ ہوگا ورنہ جذبہ مخالفت پیش خیمہ ہنگامہ آرائی ثابت ہوگا اور دنیا موت و زیست کی کشمکش میں اس طرح مبتلا ہو جائے گی جس طرح کوئی زندگی کا خواہش مند موت کے مضبوط پنجوں میں جکڑ لیا جائے مذکورہ بیان کے بعد اگر غور کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یا تو کسی پر کوئی پابندی نہ ہو اور یا ہر شخص کی خواہش کے مطابق قانون بنایا جائے مثلاً ہم نے ایک سال کے لئے جمہوری قانون بنایا یا اس وقت تک کے لئے یہ قانون بنایا جب تک کہ جمہوری خیال باقی ہے اگر غور کیا جائے تو جن نقائص کی بنا پر ہم نے وہ ہمہ گیر قانون نہیں مانا تھا وہی خرابیاں اب بھی باقی رہتی ہیں اس لئے کہ ہم نے جمہوری قانون تمام انسانوں کے لئے بنایا، تو اول تو ہم کو اس کا علم ہونا ناممکن ہے کہ تمام عالم جمہوری خیال کا مالک ہے اگر بفرض محال اس کا علم ہو بھی جائے تو ایک ایسا آلہ ایجاد کرنا پڑے گا جس میں ہر ہر وقت ہر ہر شخص کے ذہنی میلانوں کا عکس اترتا رہے اور وہ آلہ ہر شخص کے پاس ہو جس کا علم ہر ایک شخص کو ہوتا رہے جس کسی ذہن میں جمہوریت سے تنفر پیدا ہو، اس لمحہ اس کے لئے اس کی طبیعت کے موافق قانون بنایا جائے اول تو یہی صورت محال ہے۔ دوسرے ہر ملک کے خیالات جداگانہ ہیں۔ لہٰذا ہر ملک کے اعتبار سے ایک الگ قانون بنایا جائے (اور جہاں ان دو ملکوں میں اختلاف کا احساس پیدا ہو وہاں جنگ کا ہونا لازمی ہے) اور ملک کی سرزمین اور اس کے تمام رہنے والے بھی مختلف الخیال ہوتے ہیں لہٰذا مکمل آزادی دینے کے حامیوں کو ہر ہر صوبے کے لئے ایک قانون بنانا چاہئے یہ بھی ناکافی ہے کیوں کہ شہروں کے اختلاف سے بھی خواہشوں میں اختلاف پیدا ہوتے ہیں لہٰذا ہر شہر کے لئے ایک قانون ہو یہ بھی ناکافی ہے خاندانوں کے اختلاف سے بھی رجحانات میں اختلاف ہوتے ہیں ایک خاندان کی کچھ ذہنیت ہے دوسرے کی کچھ، ایک خاندان کچھ چاہتا ہے دوسرا کچھ۔ لہٰذا ہر خاندان کے لئے ایک قانون بنایا جائے۔ اور پھر یہ بھی ناکافی ہوگا کیونکہ گھر کے بدلنے سے بھی خواہشات بدلتے ہیں ہمارے گھر میں ایک چیز اچھی نظروں سے دیکھی جاتی ہے، دوسرے گھروں میں بری نظر سے دیکھی جاتی ہے لہٰذا ہر گھر کے لئے ایک الگ قانون ہونا چاہئے اور پھر ہر گھر میں بھی ایک قانون ناکافی ہوگا، کیونکہ ہر گھر میں مختلف افراد، مختلف خواہشیں رکھتے ہیں، بچے کچھ چاہتے ہیں، جوان کچھ چاہتے ہیں، بوڑھے کچھ چاہتے ہیں، مرد کچھ چاہتے ہیں، عورتیں کچھ چاہتی ہیں لہٰذا ہر ہر مرد کے لئے اور ہر ہر عورت کے لئے الگ قانون بنائے جائیں اور پھر یہ بھی ناکافی ہوگا کیونکہ ہر شخص کے پوری زندگی میں ایک ہی قسم کے خیالات نہیں رہتے، بلکہ خیالات بدلتے رہتے ہیں، بچپنے میں کچھ، جوانی میں کچھ، بڑھاپے میں کچھ، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ آزادی فکر اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اصول و قوانین کو احساسات کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے۔ جو چاہے کرے، کمزور قوت اِس سے پس جائے، دولت مند غریبوں کا خون چوس لے مالی دماغ، کمزور دماغوں کو مفلوج بنا دے یا دوسری لفظوں میں یوں کہوں کہ فکر کی حقیقی آزادی اور رجحانات کی واقعی

(بقیہ............صفحہ ۳۹ پر)

ہوئے اور مادی سیاست نے اتنی ٹھوکریں کھائیں کہ اب اسے اپنی شکست کا احساس ہوجانا چاہئے اور اگر ابھی احساس نہیں ہوا تو پھر چھوڑ دیجئے اور آنے دیجئے وہ وقت کہ ایسا احساس پیدا ہوجائے بہرحال اگر احساس پیدا ہوگیا تو پھر مفکرین عالم کو اس طرح سوچنا ہے کہ وہ روحانیت کے دروزاہ سے حل تلاش کریں۔

بدقسمتی سے وقت ایسا ہے کہ جب ہماری آنکھوں کے سامنے روحانیت کا کوئی معصوم یعنی خطاؤں سے بری مجسّمہ موجود نہیں ہے لیکن کم از کم روحانیت کے مٹے ہوئے خط و خال ان تعلیمات کی صورت میں موجود ہیں جو اہل مذاہب کی روحانی جماعت کے ہاتھ میں باوجود اکثر کے فراموش ہوجانے کے پھر بھی محفوظ ہیں۔ اس لئے اتنی امکانی صورت موجود ہے کہ تمام مذاہب عالم کے روحانی مفکرین کی ایک کانفرنس کی جائے اور اس کے لئے ہمارا ملک انڈیا زیادہ موزوں ہے۔ کیونکہ اس کو تجربہ اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ ہوچکا کہ ایک اپنے نقطۂ نظر سے روحانیت کا علمبردار کس طرح مادیت کی تیز و تند ہواؤں میں اپنی باریک آواز کو بلند رکھتا ہے اور کس طرح وہ آواز فتنہ و فساد کی آماجگاہ میں امن کے قیام کی ایک زبردست مبلغ ثابت ہوتی ہے۔ ان مفکرینِ مذاہب کو دعوت دی جائے کہ اپنے اپنے مذہب کے ایسے اصول پیش کریں جو اختلافی حیثیت نہ رکھتے ہوں اور آپس کے مشورے کے بعد ایک ایسا مشترک لائحہ عمل تیار کیا جائے جو عالم میں قیام امن کے مفید ہو۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ کوئی نیا مذہب ہوگا جس کو بطور عقیدہ ہر شخص تسلیم ضرور کرے بلکہ تمام مذاہب کے تعلیمات سے اخذ کرکے اسے ایک سیاسی حل کے طور پر اختیار کیا جائے جسے امنِ عالم کے قیام کے لئے بروئے کار لایا جائے۔

ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ ابتداء میں ان افراد کی کوتاہ بینی کی بناء پر کچھ خامیاں لائحہ عمل میں باقی رہ جائیں لیکن یہ اس اصول کی خرابی نہ ہوگی بلکہ ان مفکرین کی نظر کا قصور ہوگا جسے نظر ثانی و ثالث کے بعد دور کیا جاسکتا ہے۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک دم سے تمام خرابیاں دور ہوجائیں بلکہ اس راستہ میں قدم اٹھائے جائیں یہ سمجھ کر کہ یہ ایک اسکول ہے جس میں از سرِ نو افرادِ انسانی کو سبق حاصل کرنے کے لئے داخل کیا جارہا ہے جب کہ ہمارا اب تک کا سیاسی اسکول جو مادیت کے پیشِ نظر قدم اٹھا رہا تھا مقصد میں ناکام ثابت ہوچکا۔ بہرحال اس روحانیت کے راستہ میں جو قدم بھی آگے بڑھے گا۔ وہ بے امنی کو کم ہی کرنے والا ہوگا۔ زیادہ کرنے والا قطعاً نہیں ہوسکتا۔

❀❀❀

بقیہ............دین کو کیسا ہونا چاہئے

حریت اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب اشرف المخلوقات کا نقطۂ امتیاز مرکز حیوانیت میں ضم کرکے محو کردیا جائے، او رہر انسان کو حیوان بنادیا جائے۔

اب مفکران دنیا انصاف کریں کہ وہ الٰہی قانون بہتر ہے جو اقدار انواع و اجناس کا تحفظ کرے، یا وہ نظام قابل عمل ہے جو انسان کے اسباب اشرفیت کو مٹا کر حیوان کا ہم سر بنادے۔ معلوم ہوا کہ بس صحیح راستہ اور ہمہ گیر قانون، انسان کو انسان رکھنے والا اصول، صرف اصول دین ہے قوانین مذہب ہیں۔

❀❀❀